اسلام اور رہبانیت

(از مولوی عبد الصبور صاحب صابر بستوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

ناظرین! دنیا انقلاب کا گہوارہ ہے اور بمقتضائے بشریت ہر فرد بشر کو حوادث روزگار سے دوچار ہونا پڑتا ہے چنانچہ دنیا میں انسان جب متواتر مصائب کا شکار ہوجاتا ہے اور امیدوں کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے اور جب انسان اپنی گذشتہ ناکامیوں پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہے تو دنیا اس کے سامنے تاریک سی نظر آتی ہے اور دنیاوی زندگی کو یہ سمجھتا ہے کہ گویا فطرت نے ہمیں اس خطۂ ارضی پر کسی جرم کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے انجام بھگتنے کیلئے بھیجا ہے چونکہ وہ اپنی حالت پر سب کو قیاس کرتا ہے اور سب کو مصیبت کا مارا ہوا شکار سمجھتا ہے اسلئے فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ "زندگی مصائب کا دوسرا نام ہے ہر آرزو ایک مستقل تکلیف کا پیش خیمہ ہے" (دہا تما بدھ)

بہرحال وہ دنیا و مافیہا سے اُکتا جاتا ہے اور اس سے رخصت ہوکر ایک نئی دنیا میں ڈیرا اختیار کرلیتا ہے اور صاحبان دولت و ثروت کو اپنا سخت مخالف سمجھکر دولت و سرمایہ کو خیرباد کہکر ایک جنگل میں گوشہ نشین ہوجاتا ہے مذکورہ عقائد کی بناء پر وہ اپنا عقیدہ یہ بنالیتا ہے کہ اس دنیا میں جو مالدار ہے وہ اخروی دنیا میں غریب ہوگا جو یہاں خوش و خرم نظر آتا ہے وہ وہاں غمگین ہوگا اور جو یہاں ذلیل و خوار ہیں وہ وہاں مجد و شرف کے مالک ہونگے۔ یہی کہہ کہہ کر اپنے "ستم رسیدہ" قلب کو تسکین دیتا ہے کہ حال کو ذلیل کرکے مستقبل کو مزین کیا جاوے۔ یہی عقیدہ صومعہ و کنیسہ کے راہب کا ہے اور یہی تارک الدنیا سنیاسی کا پیغام ہے غرضکہ وہ اپنے پیش نظر ایک سد سکندری قائم کرلیتا ہے جس کی وجہ سے اسکو دنیا کی ہر چیز دوسرے جنم کے مخالف نظر آتی ہے۔ لیکن اسکا یہ سمجھنا کہ فطرت نے اسکو اس قیدخانہ میں اپنے اعمال کے بھگتان کیلئے لا پھینکا ہے کیا صحیح ہے اور فی الحقیقت فطرت کی تعلیم یہی ہے؟ کیا فی الواقع انسان دنیا میں قیدی کی حیثیت سے لایا گیا ہے؟ کیا واقعی دنیا کی ہر چیز قابل نفرین و ملامت ہے؟ کیا وہاں کی عزت یہاں کی ذلت کے معاوضہ میں ملیگی۔ کیا یہاں جو دولت و ثروت میں زندگی بسر کرتا ہے وہ اخروی دنیا میں محروم رہیگا؟ کیا ذلت واقعی خدا کی رحمت ہے؟

آیئے ذرا دیکھیں قرآن ہمیں اس بارے میں کیا سکھاتا ہے؟ قرآن ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں ہم مخدوم ہیں دنیا کی ساری چیزیں ہمارے ہی فائدہ کیلئے بنائی گئی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الآیہ (لقمان) کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ نے آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے تابع کردیا ہے" دنیاوی زینت و آرائش ہمارے لئے قطعاً حرام نہیں باذن شرع دنیا کی ہر شے سے متمتع ہونا ہمارا کام ہونا چاہئے۔ ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ دنیاوی شان و شوکت کی وجہ سے انسان کبھی غلط طریقہ اختیار کرلیتا ہے اور اللہ کی اطاعت سے اعراض کرنے لگتا ہے لیکن

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے بچنے کیلئے رھبانیت اختیار کرلے اور دنیا و مافیہا سے الگ ہو جاوے اور عذاب الٰہی کا مستحق بن جائے اگر دنیاوی شان و شوکت سطوت و رفعت خلقت انسانی کا مقصد نہیں تو ہم کہیں گے کہ دنیاوی ذلت بھی تخلیق انسانی کی غرض و غایت نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اللہ عزوجل دنیا میں انبیاء کرام کو مبعوث فرماتا رہا۔ تاکہ لوگوں کو بسبب دولت و ثروت سرکشی و طغیانی سے بچاتے رہیں اور افراط و تفریط کو مٹاتے رہے اور بنی نوع انسان کو ہر اس فعل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جو نجات اخروی کا ذریعہ بنے اور ایسی ناشائستہ حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتے رہیں جو "مترفین" کے درجہ تک پہنچاتے ہوں اور تقویٰ کو اپنا نصب العین عمل بنانے کا حکم کریں جس سے ان کی دنیاوی زندگی شادکام اور اخروی زندگی فائز المرام قرار دی جاسکے اور خلیفہ فی الارض بننے کے مستحق ہوں۔

فلاح دنیا اور اخروی سرخروئی یہ دونوں میزان خداوندی کے پلڑے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ہلکا ہوا تو پھر حیات انسانی تلخ ثابت ہوگی زمین کی وراثت بھی ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل اقوام ماضیہ کو بار بار اس نعمت کی یاد دلاتا رہا۔ حضرت ہودؑ نے اسی نعمت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی قوم کو یاد دلایا تھا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد استخلاف فی الارض کی بخشش سے نوازا۔ فَاذْكُرُوٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اعراف) یعنی پس اللہ کی نعمت یاد کرو تاکہ تمہیں فلاح میسر ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے بھی یہی اپنی قوم سے کہا تھا حضرت شعیبؑ کا بھی یہی نظریہ رہا۔ حضرت یوسفؑ کو اتنی سخت ابتلاء کے بعد جس نعمت سے نوازا تھا وہ تمکن فی الارض ہی تھا۔ حضرت موسیٰؑ و بنی اسرائیل کی مکمل داستان اسی بارے میں ہے خدا نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے تم کو نوازا تھا اور تمام عالم پر برتری دی تھی اور ان اقوام کی طغیانی و سرکشی پر جو سزا دی گئی تھی وہ اسی نعمت کبریٰ کا چھن جانا تھا اور اس کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (بقرہ) یعنی ان پر ذلت اور محتاجی لازم کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

بہر حال قران اس قسم کے واقعات سے بھرا پڑا ہے اور اس قسم کے واقعات کا قرآن میں تکرار محض واقعہ نگاری نہیں بلکہ اس میں ایک عبرت ہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں فرما دیا اور روشن کر دیا کہ اس دنیا میں عزت و وقار کی زندگی رحمت ہے مثلاً کہیں فرمایا کہ تم میں سے جو ایمان لایا اس کو زمین کا بادشاہ بنائیں گے کہیں یہ ہے کہ جو عمل صالح کریگا اس کی زندگی پاکیزہ طور پر بسر ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ اور کھلے الفاظ میں تشریح فرما دی کہ دنیاوی زندگی حیات اخروی کا پیش خیمہ ہے بشرط عمل صالح اور اس خیال کی تردید کر دی کہ دنیاوی زندگی عذاب ہے۔ اس کے بعد قرآن نے مسلمانوں کی دنیاوی زندگی کے لئے ایک پروگرام تیار کیا اور تقویٰ و خشیت کو معیار قرار دیا جس کا مقصد عاقبت ہی کا سنوارنا تھا۔ اور نیز قرآن نے بالوضاحت تبلا دیا کہ دنیا میں قوانین خداوندی کی روشنی میں قدم اٹھانے سے سارے معرکے اور میدان تمہارے قبضہ میں ہونگے اور تم زمین کی وراثت کے مستحق ہوگے +

قرآن نے جہاں بھی مومنوں کیلئے فوز و فلاح نصرت وکامیابی کو مخصوص کیا ہے وہاں ان تمام کامیابیوں کو اخروی زندگی سے متعلق کر دیا۔ اور دنیا کو دار العمل قرار دیا ہے دنیا میں دولت کی فراوانی عذاب خداوندی نہیں ہے لیکن ہاں جب دولت کی زیادتی کے ساتھ خدا فراموشی بھی جمع ہو جاوے تو فی الحقیقۃ اس کا انجام برا ہوتا ہے چنانچہ قرآن نے اس کے متعلق بھی متنبہ کر دیا اور انہی نقائص کی اصلاح کیلئے وقتاً فوقتاً انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے پھر ترک دنیا ترک علائق ترک لذائذ چہ معنی دارد۔ اب کیا ہو رہا ہے؟ گویا قرآن کو عملاً مسخ کیا جا رہا ہے قرآن نے دنیاوی زینت کو مناسب حد تک صراحۃً حلال فرمایا تھا اُسے حرام کیا جا رہا ہے۔ اب تو عالم رہبانیت ہیں چیتھڑے پہننا بے گھر رہنا، خستہ وخراب رہنا، اسلامی تعلیم کے خد و خال قرار دیئے جا رہے ہیں۔ الحاصل جن کے بیخ و بن کو اکھاڑنے کیلئے اسلام عالم وجود میں آیا تھا وہ سب بدعات جزو اسلام بنی جا رہی ہیں۔ اسلام رہبانیت کا اسلئے مخالف نہیں کہ لوگ گھر و شہر کو چھوڑ کر جنگلوں میں زندگی گزارتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام گھروں کو چھوڑ کر غاروں میں چھپ کر نمازیں ادا کرتے تھے۔ لیکن ان کو کوئی نہ روکتا تھا۔ بلکہ اسلام رہبانیت کا اسلئے مخالف ہے کہ اجتماعیت انفرادیت سے بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم نماز با جماعت سے محروم رہ جاوینگے۔ اور اسلام اجتماعیت کو قائم کرنا چاہتا ہے اور اجتماعیت بمنزلہ ایک مشینری کے ہے جس کے پرزے جملہ مسلمانان ہیں اب اگر ایک پرزہ علیحدہ ہوتا ہے تو مشینری ناقص ہو جاتی ہے اس طرح سے ہر ایک مسلمان کو دوسرے کیساتھ واسطہ ہے اب اجتماعیت سے جو بھی خارج ہوا وہ جلکے غار جہنم میں گرا۔ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّار (حدیث) لا اسلام الا بالجماعۃ (حضرت عمرؓ) یعنی اسلام نہیں ہے مگر اجتماعیت سے ؎ بگذر از بے مرکزی پائندہ شو۔

پس مسلمان کیلئے اجتماعیت والتزام جماعت ضروری ہے کیونکہ مسلمانوں کی متحدہ قوت صرف اجتماعیت کی صورت میں قائم رہ سکتی ہے نہ کہ انفرادیت میں۔ افسوس ہے آج کل کے صوفیوں پر کہ رضاء الٰہی اس میں سمجھتے ہیں کہ جا کر جنگلوں میں بسیرا کریں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کی زندگی ان کے سامنے ہے حضرت عبداللہ بن مظعونؓ کچھ رہبانیت پسند آدمی تھے اور خوشبو وعورت اور ہر لذیذ چیزیں اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا ان کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (مائدہ) یعنی خدا نے جو پاکیزہ اشیاء تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انھیں اپنے اوپر حرام مت کرو اور حد سے نہ گذر جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنیوالوں کو محبوب نہیں سمجھتا۔

اور رہبانیت کی بنیاد نفس کشی پر قائم ہے اور اسلام نفس کشی کا سخت مخالف ہے نیز رہبانیت میں طبیعت پر جبر و تشدد کیا جاتا ہے اور حد سے زیادہ عبادت لازم قرار کر لی جاتی ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (بقرہ) اللہ تعالیٰ کسی کو ایسے احکام کا مکلف نہیں کرتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں علیکم ما تطیقون من الاعمال فان اللہ لا یمل حتی تملوا الخ یعنی تم لوگ صرف اتنی عبادت کرو جتنی تمہیں طاقت ہے کیونکہ اللہ اسوقت تک نہیں تھکتا ہے جبتک کہ تم خود نہ تھک جاؤ۔ نیز رہبانیت کی بنا عزلت گزینی وگوشہ نشینی